بڑا شہر اور تنہا آدمی

پرویز شہریار
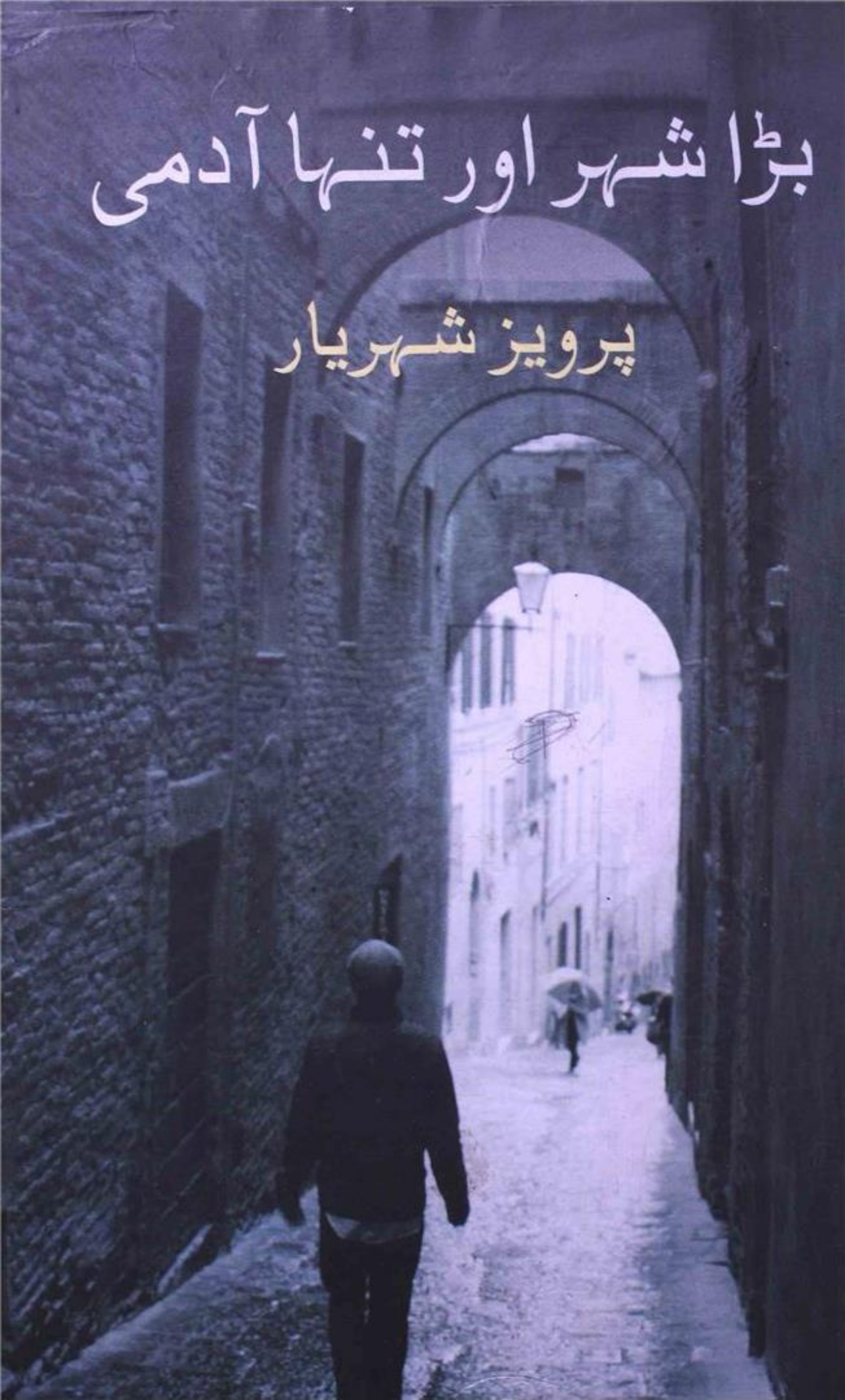
بڑا شہر اور تنہا آدمی

(شعری مجموعہ)

پرویز شہریار

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۶

BADA SHAHAR AUR TANHA ADMI

(A Collection of Poems of Perwaiz Shaharyar)

By

Perwaiz Shaharyar

Mob: 9910782964

Year of Edition 2012

ISBN 978-93-5073-053-9

Price Rs. 150/-

کتاب کا نام : بڑا شہر اور تنہا آدمی

مصنف : پرویز شہریار

پہلی اشاعت : ۲۰۱۲ء

قیمت : ۱۵۰ روپے

ترتیب وتزئین : موسیٰ رضا

لیزر ٹائپ سیٹنگ : مغیث احمد

سرورق آرٹ : بپلب کنڈو

ملنے کے پتے : IV/48، این سی ای آر ٹی کیمپس، شری اروندو مارگ نئی دہلی-110016

: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی-110025

مطبع : روشن پرنٹرس، دہلی

Published by

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE

3108,Vakil Street, Kucha Pandit, Lal Kuan, Delhi-6(INDIA)

Ph : 23216162, 23214465, Fax : 0091-11-23211540

E-mail: info@ephbooks.com,ephdelhi@yahoo.com

website: www.ephbooks.com

انتساب

والدِ محترم

شہابؔ قاضی پوری

(یکم جولائی 1926 تا 20 نومبر 2006)

مصنف:

ارتعاش اوراقِ گل

(کلیات)

کے نام

جن کی پدرانہ شفقت اور محبت ہمیشہ میرے شامل حال رہی ہیں اور جن سے مجھے
علم و ادب کا شعور حاصل ہوا نیز زندگی کی بصیرتیں ملتی رہی ہیں۔

☆

بہ قدرِ شوق نہیں ظرفِ تنگنائے غزل
کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیاں کے لیے

غالب

People

I like people quite well
at a little distance.
I like to see them passing and passing
and going their own way,
especially if I see their
aloneness alive in them.
Yet I don't want tem to come near.
If they will only leave me alone
I can still have the illusion
that there is room enough in the world.

--- D.H. Lawrence

گفتنی

میرا نام سید پرویز احمد ولد شہاب قاضی پوری، قلمی نام پرویز شہریار، تاریخ پیدائش 10 رجنوری 1964 جائے پیدائش جمشید پور، وطن قاضی پور (شاہ آباد) اور موجودہ سکونت نئی دہلی ہے۔

میں نے آر۔ڈی۔ ٹاٹا ہائی اسکول سے میٹرک فرسٹ ڈویزن سے پاس کیا۔ جمشید پور کوآپریٹیو کالج (رانچی یونیورسٹی) سے آئی۔ایس۔سی۔ ریاضی سے کی اور بی۔اے (انگریزی آنرز) کی ڈگری فرسٹ ڈویزن سے حاصل کی۔ 1991 میں ایم۔اے (اردو) کی ڈگری جواہر لال نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی سے امتیازی نمبروں سے حاصل کی اور یونیورسٹی میں اوّل پوزیشن حاصل کی۔ اس پر دہلی اردو اکادمی اور جواہر لال نہرو میموریل سوسائٹی، نئی دہلی نے انعام واسناد سے نوازا۔ 1993 میں میرے تحقیقی مقالہ ''منٹو اور عصمت کے یہاں عورت کا تصور'' پر جواہر لال نہرو یونیورسٹی نے مجھے ایم۔فل کی ڈگری تفویض کی۔ اس کے بعد دہلی یونیورسٹی سے میرے تحقیقی مقالہ ''راجندر سنگھ بیدی کے افسانوی ادب کا تنقیدی مطالعہ'' پر مجھے 2009 میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری دی گئی۔

میں نے پروفیشنل تعلیم کے صیغے میں ترقی اردو بیورو، نئی دہلی سے خطاطی کا ڈپلوما 1986 میں حاصل کیا تھا۔ ماس میڈیا کا ایڈوانس ڈپلوما مجھے جواہر لال نہرو یونیورسٹی سے 1991 میں ملا۔ میں نے پوسٹ گریجویٹ ڈپلوما ان بک پبلیشنگ (اسپشلائزیشن ان ایڈیٹنگ) کا دو سالہ کورس 1995 میں دہلی یونیورسٹی سے پاس کیا، یونیورسٹی میں اول مقام حاصل کیا اور دہلی یونیورسٹی نے

میرے تحقیقی مقالہ ''اردو لیزر ٹائپ سیٹنگ: اِٹس پرابلمز اینڈ چیلنجز اِن بک پبلیشنگ انڈسٹری اِن انڈیا'' پر مجھے گولڈ میڈلسٹ کے اعزاز سے سرفراز کیا۔

نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ میں اسسٹنٹ ایڈیٹر (اردو) کی حیثیت سے 1993 میں اپنا کیریئر شروع کیا اور 1997 سے انچارج اردو کی حیثیت سے پبلی کیشن ڈویژن میں خدمت انجام دیتا رہا ہوں۔ اب تک اردو اور انگریزی کی 500 سے زائد نصابی اور معاون درسی کتابوں نیز پریکٹیکل مینوئل وغیرہ کی ادارت کر چکا ہوں۔ اس کے علاوہ میں نے این سی ای آر ٹی کی نصابی کتابوں اور معاون درسی کتابوں کے انگریزی سے اردو میں کئی ترجمے بھی کیے ہیں۔ اردو پر مستزاد میری ان خدمات کے پیش نظر مجھے کونسل نے ترقی دے کر دسمبر 2005 میں ایڈیٹر جنرل کے عہدے پر فائز کر دیا تھا۔

2007 میں قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، محکمہ ثانوی و اعلیٰ تعلیم، وزارتِ ترقیِ انسانی وسائل، حکومت ہند میں پرنسپل پبلی کیشن آفیسر کی حیثیت سے بھی اردو کی خدمت انجام دے چکا ہوں۔ فی الحال، نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ، نئی دہلی میں ایڈیٹر جنرل کے فرائض انجام دے رہا ہوں۔

میں نے اپنی نوجوانی میں پہلا افسانہ 1980 میں لکھا، جب میں دسویں جماعت کا طالب علم تھا۔ یہ افسانہ ''پندار'' پٹنہ کے 6 ستمبر 1980 کے شمارے میں ''چمبل کی دسویں رانی'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ اس طرح، میرے ادبی سفر کا آغاز 1980 سے ہوتا ہے۔ آغاز سفر میں جدیدیت کے رجحان سے بھی اثرات قبول کیے اور چند ایک علامتی اور تجریدی افسانے بھی لکھے۔ ''قوس'' کے ایک خصوصی شمارہ ''نیا افسانہ، کچھ نئے نام'' میں مختصر تعارف کے ساتھ ایک علامتی افسانہ ''نئی روشنی کا آخری ڈرامہ'' کے عنوان سے 1985 میں شائع ہوا۔ 1986 میں ''شب خون'' میں ''سایہ سایہ جنگل'' شائع ہوا تو شمس الرحمٰن فاروقی نے لکھا کہ پرویز شہریار جمشید پور کے نئے افسانہ نگار ہیں۔ لیکن جلد ہی افسانے میں کہانی پن، بیانیہ اور حقیقت نگاری کی فوقیت کے ادراک اور شعور سے واپسی کہانی کی پرانی ڈگر پر ہوگئی۔ تعلیم کے سلسلہ میں دلّی آنے کے بعد آل انڈیا ریڈیو سے کچھ افسانے نشر ہوئے مثلاً ''پھول کا بوجھ'' اور اسی قبیل کے دیگر افسانے۔ ''بھولپن'' یعقوب عامر صاحب نے ''یوجنا'' جیسے معاشی اور ترقیاتی رسالے میں شائع کر دیا۔ غرضیکہ ادبی اور نیم ادبی

رسائل میں افسانے شائع ہوتے رہے ہیں۔ ''شاعر'' اور ''کتاب نما'' میں میری کچھ نظمیں شائع ہوتی رہی ہیں۔ اس کے علاوہ ہندوستان اور پاکستان کے مؤقر رسائل و جرائد مثلاً ''مباحثہ''، ''انشاء''، ''نیا ورق''، ''فکر و تحقیق''، ''آجکل''، ''پرواز ادب''، ''روح ادب''، ''اذکار''، ''سبق اردو''، ''ایوان اردو''، ''اردو دنیا''، ''اخبار اردو''، ''پندار''، ''اخبار مشرق''، ''راشٹریہ سہارا'' اور ''انقلاب'' وغیرہ میں میرے افسانے، نظمیں اور علمی و ادبی مضامین شائع ہوکر مقبول عام ہو چکے ہیں۔

ادبی نشستوں میں بھی افسانے سُنا تا رہا ہوں۔ ''ادارہ بزم'' جمشید پور کی نشستوں میں ''کفن چور'' اور اسی قسم کے دیگر مختصر ترین افسانے اور نظمیں بھی پڑھتا رہا ہوں۔ ''رفتار ادبی فورم'' جے این یو، کے جنرل سکریٹری شپ کے زمانے میں ایک افسانہ ''شیطان'' سامعین کے گوش گزار کیا۔ اردو اور ہندی زبان کا مشترکہ ادارہ ''سنگم ادبی فورم''، جے این یو میں بھی سکریٹری کی حیثیت سے ایک افسانہ ''کرشن۔۔۔ کھوئے یگ کی جستجو'' پڑھا جس میں سامعین نے تبصرے بھی کیے اور مہمان خصوصی راجندر یادو ایڈیٹر ''ہنس'' (ہندی) نے بھی اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں خوشی ہے کہ اردو میں بھی کرشن کی بازیافت کی کوششیں ہورہی ہیں۔

میرا پہلا افسانوی مجموعہ ''بڑے شہر کا خواب'' جس میں میرے 23 افسانے شامل ہیں، جنوری 2006 میں ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی سے شائع ہوا تھا۔ اس کتاب کی اشاعت کے لیے دہلی اردو اکادمی نے مالی تعاون فراہم کیا تھا۔ میری اس تخلیقی کاوش کا ادبی حلقوں میں بہت گرم جوشی سے خیر مقدم کیا گیا اور میرے افسانوں کی اتنی مقبولیت اور پذیرائی ہوئی کہ اس کی طباعت ثانی اب زیرِ غور ہے۔

اس بات سے شاید کم لوگ واقف ہیں کہ میری نظمیں گزشتہ صدی کی آٹھویں دہائی سے ہی شائع ہوتی رہیں اور ایک اندازے کے مطابق اب تک سوا سو سے زائد نظمیں لکھ چکا ہوں جن میں سے کئی ہندوستان کے معیاری رسائل و جراید مثلاً ''شاعر''، ''کتاب نما''، ''مباحثہ''، ''نیا ورق''، ''انشاء''، ''روح ادب'' اور ''پرواز ادب'' وغیرہ میں شائع ہوتی رہی ہیں۔ میں نے نظم نگاری کی پہلی کوشش اپنے کالج کے زمانے میں کی تھی اور وہ اس طرح کامیاب رہی کہ کلکتے سے نکلنے والے مشہور و معروف اخبار ''اخبارِ مشرق'' میں میری دو نظمیں ''آدم اور ہوا'' اور ''انتظار کے دوش پر'' ایک ساتھ

شائع ہوئیں۔ یہ تقریباً انیس سو چوراسی پچاسی کا زمانہ تھا۔ اب جب کہ پچیس تیس سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ فکر وفن میں بھی کافی سنجیدگی اور متانت آچکی ہے تو ایسے میں مجھے محسوس ہوا کہ ایک شعری مجموعہ بھی منظر عام پر آنا چاہیے۔ لہٰذا ''بڑا شہر اور تنہا آدمی'' میری اُن سبھی ابتدائی نظموں کا ایک ایسا اولیں شعری مجموعہ ہے جس میں بغیر کسی خاص التزام وانصرام کے باون نظمیں منظر عام پر لائی جارہی ہیں۔

آخر میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میں اپنے اساتذی محترم پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی اور پروفیسر صادق صاحبان کا بے حد ممنون ہوں جن کی مشفقانہ رہنمائی میں مجھے اپنی علمی لیاقتوں اور ادبی ذوق وشوق میں اضافہ کرنے کے متواتر مواقع ملتے رہے ہیں۔

میرے والد مرحوم شہابؔ قاضی پوری کا شکرانہ لفظوں میں ادا نہیں کرسکتا کیونکہ ان کی پدرانہ شفقت اور محبت ہمیشہ میرے شامل حال رہی ہیں اور ان سے مجھے علم وادب کا شعور حاصل ہوا اور زندگی کی بصیرتیں ملتی رہی ہیں۔

اس کے علاوہ، اپنی گرہست زندگی کی سب سے اہم ترین شخصیت میری رفیقہ حیات زینت شہریار اور میرے دونوں بیٹوں انشاء اور اعیان کا بھی ممنون ہوں جنھوں نے مجھے اپنے گھریلو فرائض سے اتنی فراغت فراہم کی ہے کہ میں اردو ادب کی یہ ادنیٰ سی ہی سہی خدمت انجام دے سکا۔

پرویز شہریار
IV/48 این سی ای آر ٹی کیمپس
شری اروندو مارگ، نئی دہلی۔110016
E-mail ID: spa1962@gmail.com

فہرست

○○

صندل کی خوشبو اور سانپ

کوئی افعی ہے،
جو چندن کے پیڑ کی خوشبو سے مخمور ہو اُٹھتا ہے۔
اس کی شاخوں، اس کے پتوں سے لپٹ کر
نہ جانے کیا ڈھونڈتا رہتا ہے۔
جیسے چاند کی تاک میں ہر دم چکور رہتا ہے۔
جیسے چاند کی گھات میں کوئی میگھ کا کالا چور رہتا ہے۔
... .. اور پھر ایک پل ایسا بھی آتا ہے،
جب وہ چاند کو اپنی بانہوں میں بھر لیتا ہے۔
دُنیا کی نگاہوں سے بچا کر اپنی آغوش میں ڈھنپ لیتا ہے،
سفیدی ظلمت میں حل ہو جاتی ہے،
روشنی تاریکی میں بدل جاتی ہے۔
لیکن ——

یہ تاریکی ہی اصلاً تخلیق کا منبع ہے۔

من کا افعی بھی

رہنا چاہتا ہے

تیرے گردو پیش

گو تری زلف کوئی شنکر کی جٹا بھی نہیں،

پھر کیوں یہ افعی

تیری گردن، تیرے نافِ تن میں حمائل ہونا چاہتا ہے؟

بار بار!

تیرے صندل بدن کی خوشبو ——

کوئی امرت، کوئی سوم رس بھی نہیں،

پھر کیوں یہ دُشٹ راہو کیتو کی طرح

پینا چاہتا ہے اسے بوند بوند، چال بازی سے

تاریکی ہی تیرا مقدر ٹھہرا،

تیرا مسکن بھی تاریک ہے

اے ذوالقرنین!

ظلمت ہی تو آبِ حیات کا سرچشمہ ہے

تیرا سکون، تیرا اقرار بھی تاریک ہے

تاریکی ہی اصل منبعِ نور ہے

تخلیقِ کائنات کا شعور ہے

بادل جب چھٹتا ہے،

چاند اور بھی دمکتا ہے،
میگھ دوت کے کالے گھنے حلقے سے نکل کر
چاند اور بھی دودھیا —— پُرنور —— ہو جاتا ہے
صندل کے شجر سے لپٹ کے سانپ.... ..
اور بھی مسرور ہو جاتا ہے،
لاشعور سے شعور کا سفر ختم ہو جاتا ہے۔

○○

ہم امن چاہتے ہیں

اے اولادِ قابیل!

دھرتی پر یہ کشت وخون کب تک......؟

حالاں کہ تہذیب کی بنیاد

خون میں ڈوبی ہوئی ہے، لیکن کیا

لازم ہے کہ جنگ ہی ہو انسانیت کی معراج؟

کیسے ممکن ہے کہ

سائنس و مذہب کے یہ برکات

ایک سیاس سے کھا جائیں مات

اے موسیٰ و عیسیٰ و محمد کے پیرو!

تم نے دنیا کو دیے ہیں تہذیب و تمدن

تم نے کوہ و صحرا کو چمن زار بنایا

آج تم ہی دنیا میں ظلمت کا سبب ہو

یہ جلتا ہوا سمندر

یہ بنجر دھرتی

اور یہ گھٹتی ہوئی فضا

کیا اسی دن کے لیے تمہارے خدا نے تھا تم کو اتارا

عقل دی تھی خدا نے تمھیں انسانیت کی فلاح کے لیے

تمھاری جنگ پسند طبیعت نے، تمھاری ہلاکت پسند فطرت نے

اس سے اپنی ہلاکت کا سامان ایجاد کرایا

ابلیس کو شرمندہ کیا انسانیت کے نام پر

ابلیس کو ہٹا کر خود لگ گئے شیطانیت کے کام پر

دھرتی کے ٹکڑے کیے، آگ لگائی، خون بہائے

ادنی و کمتر مخلوق کو ہدف اپنا بنایا

خدا کے واسطے جنگ بند کرو!!

...... کہ ہم امن چاہتے ہیں!!

صد ہا بار ہم امن چاہتے ہیں!!

ہم امن چاہتے ہیں

OO

آدم اور حوا

... اور

نہ جانے کب

سیاہ بادل اپنی بانہوں میں چاند کو لیے بھینچ رہا ہے ...

ستارے آنکھ مندے کھڑے ہیں

نئی روشنیاں چھیڑتی ہیں

نیلا آسمان خوش ہے کہ 'میری طرف یہ پہلا قدم ہے۔'

بانہوں کے حلقہ سے چاند شرماتا نکلا

اور ... 'چہرہ دمک اٹھا ہے۔'

OO

انتظار کے دوش پر

دیوار سے ٹکائے
افسردہ کھڑا ہے یوکلپٹس کا درخت
سوچ میں گم ...
اب تک وہ سنہرے بال والی
شوخ کرن آئی نہیں
آتے ہی لپٹ جائے گی، میرے جسم سے بیلوں کی طرح
... رات پگھلتی رہی ہے بوند بوند ...
دم توڑتی ہیں ... آخری ساعتیں

اے دل ناداں، دل بے تاب ٹھہر
بس کچھ ہی پل اور... صبر کر
... اجالا ہونے بھر

سن باتھ

سرد جھونکوں کی تیز دھار برچھوں سے چھلنی ہے سینہ
ناریل کے درختوں کا — ایک طرف
نیلے سمندر سے نکل کر
پیلی ریت پر چلی آئی ہیں؛ ''سنہری مچھلیاں''
جوبن کی گدازیت رینگتی ہیں
نرم بالو پراندے والی ناگن کی طرح
دہکتے کپکپاتے ہونٹ چومتے ہیں ذرات کے ...
حسن کے لطیف مساموں کو؛ —
دوشیزگی کے نشیب و فرازوں کو —
سمیٹتی ہیں کبھی بکھیرتی ہیں اپنا گلابی بدن دھوپ کی آغوش میں
محبوب کی بانہوں کا تصور لیے — ''وہ''

... اور

بار بار جھلا کر
واپس لوٹ جاتا ہے شوریدہ تلاطم
ریت کی گوری پنڈلیوں کو چھو کر
تشنہ کام

OO

روپ کی ترسیل

بہو رانی:

اس طرح اچھلتی کودتی

چھم چھما چھم ...... چھم چھما چھم ......

مت پھرا کرو میری نگاہوں کے سامنے

ایسا بھی نہیں کہ میں قدامت پرست ہوں

بلکہ تمھیں دیکھ کر کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے

میری بھی ایک محبوبہ تھی

جو ایام جوانی میں ہی

اپنے جواں خوابوں کو سینے میں لیے دفن ہو گئی زیر زمیں

بہت جلد ہی — وقت سے پہلے

...... اور اب جو تمھیں دیکھتا ہوں

تو سوچتا ہوں

کہیں تم وہی تو نہیں ہو

''اپنا وعدہ نبھانے ؛ایفائے عہد کے لیے

چلی آئی ہو اس جہنم میں ایسا روپ دھارن لیے

میرے بیٹے کی زندگی میں

کہ میرا ہی خون ہے، میرا عضو ہے

وہ، میں ہوں؟

○○
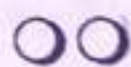
شاعر کا خواب

میرے پوتے نے آکسیجن کا بستہ
اپنی پیٹھ پر باندھ کر
اجازت مانگی
خلاء کے سفر کے لیے
میرے بیٹے نے جو روشنی کو گن
رہا تھا میز پر
اپنی نگاہوں کے دو سوالیہ
نشانوں کو
اچھال دیا میری طرف
میں نے دوا کی گولیوں کے رکھتے ہوئے
ایک مریضہ کے نحیف ہاتھ میں —
اپنی جھریوں کے بھنور سے

پھینک دیا دونگاہوں کا سوال
پشت کی دیوار پر
جہاں ایک شاعر کی تصویر ہے
ٹنگی ہوئی
وہ میرے بابا ہیں
کہ خواب کی دنیا بسانے والے
شاعر کے
خوابوں کی — یہ تیسری تعبیر تھی
ایک پل...... خامشی رہی
ایک پل کے بعد —
ہونٹوں کے چند پھول کھلے
جبیں پر اک چاند اگا — اور
پھر غروب ہو گیا

...... اور
دور خلاؤں میں اوپر کو تیرتی ہوئی
مشین کی آواز
مدھم ہوتی چلی گئی —

○○

تو کوئی کیسے غزل لکھے

جب انسان مر رہا ہو
تو کوئی کیسے غزل لکھے
غزل کے لیے
جنوں چاہیے
جنوں کے لیے وفا ضروری ہے
انسان مر رہا ہو جب
بھوکا ننگا
وفا کے بدلے جب ملتا ہو
جور و جفا
تو کوئی کیسے غزل لکھے
جب دہقاں کی جواں لڑکیاں
بازاروں میں گھٹتی ہوں

جب کسان کے بیٹے
جنگلوں اور گپھاؤں میں ہوں پوشیدہ
محافظوں نے لگائی ہو جب گھات
مزدوری مانگنے پر
جب ملتی ہو
انھیں اموات
تو کوئی کیسے غزل لکھے
انسان جب ہو
دانے دانے کو محتاج — ایک طرف
دوسری طرف
گوداموں میں سڑتے ہوں اناج
تو کوئی کیسے غزل لکھے
حق گوئی پر
جب کاٹ لی جاتی ہو زبان
فریادرس
ہاتھوں کو جہاں جھکا دیا جاتا ہو
جب اپنے ہی ملک میں
ہم ملکوں سے ملتی ہوں پسپائیاں
جب انسان
نکسلائٹ اور خودکش بمبار

میں بدل جائے

ہائے!
صد افسوس اور ہائے
تو کوئی کیسے غزل لکھے

○○

حافظے میں بسا ہوا شہر

یاد سب کچھ ہے
یادداشت کے بغیر کچھ بھی نہیں
جب یاد ہے تو
اس کا مظاہرہ کیجیے
اپنوں کی اُنسیت
پرایوں کی نفرت
گوارہ کیجیے
اک شہر اور گاؤں کا تھا امتزاج
تیرے جمال میں
صنعت اور مکانات کی تعمیر کا تسلسل
چہار سو پہاڑیوں کا بھرا بھرا سینہ
باغات قدرت اور
بارانی فصلوں کی --- دھانی فضائیں

عین دامن میں مچلتی بلکھاتی ہوئی
سورن ریکھا!
مجھے یاد ہے سب ذرا ذرا
حافظے میں بسا ہوا ہے
پورا شہر
شہر کے ادیب و شاعر
اُن سے اُستوار رشتہ کیجیے
ہر درد میں وہ ساتھ رہتے ہیں حسّاس دل
شہریارؔ کبھی اُن کو پکارہ کیجیے

OO

جمشید پور کے دو فسادات

(۱۹۶۴)

نعرۂ تکبیر اللہ اکبر، نعرۂ تکبیر اللہ اکبر
با آوازِ بلند درود شریف کی قرأتیں ...
بہن جی رامائن مت پڑھو
بس دروازہ کھول دو
ہم کچھ نہیں کریں گے
اماں جی! کہہ دو ہم ہندو ہیں
کلہاڑیوں سے دروازہ توڑنے کی آوازیں
جلتے ہوئے لحاف اور گدّوں کا کمرے میں دخول
شعلوں اور دھوؤں میں چیختی ننھی معصوم آوازیں
اماں جی! کہہ دو ہم ہندو ہیں

ختنہ کے خون میں لت پت رہے ہوش پڑا معصوم بھائی
خون کے آنسو روتی ماں جائی
باپ اپنے تمام حواسِ خمسہ کے یکلخت
شل ہو جانے سے بدحواس
شہتیروں کے متواتر یلغاروں سے دروازے کا ٹوٹنا
نل کے پانی میں زہرِ ہلاہل کا انجماد
تاریک سیاہ رات کے اندھیرے میں
مکان سے کیمپ تک کا سفر
ہر طرف رقصاں موت کے بھیانک مناظر کا ہجوم
یوم سفرِ پل صراط، شب قیامت کی رات
خون کی ندی موج در موج / آگ کا دریا یم بہ یم
موت کا سناٹا چہار سو / سوگوار بستی بسیط
پہاڑ جنگل گاؤں / شہر
شہرِ خموشاں تا حدِ نظر
انا اللہ وانا علیہ راجعون

OO

جمشید پور کے دو فسادات

(۱۹۷۹)

ہر ہر مہادیو! ہر ہر مہادیو!
رام نومی کے جلوس کا، صابری مسجد کے آگے سے نکلنا
ہزارہا اجنبی چہروں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر
شراب کی بو، نیزوں اور برچھیوں کی چمک
گو شیش ناگ نے ڈسنے کے لیے،
اپنے زہریلے پھن پھیلا دیے ہوں
پاکستانیوں! پاکستان جاؤ
گولی چلنے کی آوازیں
پہلا زخمی بابو بھائی
کھاٹ پر اُسے محلّے میں گھومایا جانا

تیروں اور بوتل بموں کی برسات،
جبکہ یہ کوئی مہا بھارت بھی نہیں؟
شراب کے نشے میں دُھت اجنبیوں کا صفایا
ہر چند کہ یہاں جتنے بھی تھے سب باون ہاتھ کے
سورن ریکھا ندی کے کنارے ریگزار پر شامیانوں کا نمود
یہ چھٹ کا تہوار نہیں، یہ تو رام نومی کا تہوار ہے!
مکانوں سے کیمپ تک کا سفر ختم ہوا
امن کمیٹی کی تشکیل
رضا کاروں کی وفد کا تبادلہ پیغاماتِ خیر سگالی
ڈھائی دہائیاں بیت گئیں
صنعتی شہر میں اب مکمل امن ہے

○○

شبِ ہجراں

رات بھاری ہے

پہلی رات ہے،

زخم یادوں کا رستا جاتا ہے،

تاریک شب

قطرہ قطرہ نم ہوتی جاتی ہے،

تنہا جلنا

دل تیرا مقدر ٹھہرا

زندگی ہے دور —

درِ سیپ ہوا وا بھی نہیں

جوہر گوہر ہوا بھی نہیں

تنہا مسافر روتا ہے۔

طوفان زدہ کشتی دور بے سُدھ

تھک کر سو رہی ہو گی —

ظلمت چھٹے گی؟؟

صبح چہرہ شفاف ہو گا؟

کلیاں گنگنائیں گی؟

○○

تیرا خیال

تم خواب ہو
خیال ہو
کائنات کا جمال ہو
ارض و سماں تم سے
تم لازوال ہو
تم سے ادنیٰ سا واسطہ
ارض کو آفاق
گرد کو کہکشاں
غلام کو شہنشاہ کردے
ایک لفظ فقط ''محبت''
تم سے جو ہو جائے
کرشمہ ہو، کمال ہو

دھڑکنوں کا اک مسکن

دل جسے کہیئے

تیرا نام جو سما جائے

دنیا ہے پرچھائیں

رونقِ بزم ساری سراب

تیرا خواب

تیرا خیال

میری ہستی ہے

میری ساعتیں بھی تم ہو

مجھیں بھی تم

تم ہی ماہ و سال ہو

تم خواب ہو

خیال ہو

اک عالم کا جمال ہو

○○

موسمِ باراں کی پہلی رُت

جسدِ فطرت نے بدلا ہے لباس
کالی گھٹا اُمڑ کر آئی ہے
ہر شے پر مستی چھائی ہے،
شاخِ گل جھومتی ہے
رُخِ گل کو بلبل چومتی ہے
کہ وصل کی رت آئی ہے
شہرِ نگاراں میں دھوم ہے،
رقصاں وخیزاں ہر اک کمرِ موہوم ہے
ہریالیوں کا یہ طائفہ،
گل وغنچوں کا یہ چمن،
مدھ بن نے لی انگڑائی ہے
نئی امنگیں جواں ہوئی ہیں پھر

پھر موسمِ باراں کی رُت آئی ہے

بن میں ناچیں ہرنیں اور مور،

ٹھہرتے نہیں آشیاں میں طیور،

جواں دل جھومتے ہیں کھولے باہیں

زلف ورخسار کو چھیڑتی ہیں ہوائیں

ٹکتی نہیں یکجا شاعر کی نگاہیں

یارب! اب انتظار مشکل ہوا،

کاش! ہجر کا موسم ہو دفعان،

اک رنگ میں رنگ جائیں جوگی اور جوگن

ایک ہو جائیں ہمارے تن من

قطرۂ شبنم بننے کو مچلا ہے الماس

جسدِ فطرت نے بدلا ہے لباس

OO

کسکِ یادِ جاناں

تیری یاد میں بہے آنسو
تری منزل کا پتہ پوچھتے ہیں
ترے دل کی راہ ڈھونڈتے ہیں
میرے دل کی دھڑکن
تیرے چندن بدن کی خوشبو
تیری روح تن ڈھونڈتی ہے
لب ترے نام پہ
آپ ہی ہلتے ہیں
مری جان میں تجھے لاؤں کہاں سے
میری روح اُداس ہے
بند پلکوں میں تیرے ہی سپنے ہیں
آنکھیں نم ہیں،

میرا دل محوِ یاس ہے

تیری فرقت میں، اے جانِ جاناں

زندگی بوجھل ہے

ہر سو غم ہے

چہار سو درد کا راج ہے

تمہاری یاد میں بہے آنسو

تری منزل کا پتہ پوچھتے ہیں

ترے دل کی راہ ڈھونڈتے ہیں

○○
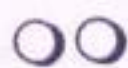
ایک کم سن لڑکی سے خطاب

تمھارا ایس ایم ایس جوک
نہ کوئی فنی میسیج آیا ہے
تمھیں یاد کر کے دل تڑپتا ہے
نگاہ بار بار موبائل کو تکتی ہے
کان ہے کہ رنگ ٹون پر لگا رہتا ہے ہر دم
تمھارا بیزی شیڈول بھی معلوم ہے مجھکو
صبح میڈیکل کی کوچنگ
دن بھر کالج کی پیریڈس
شام نوٹس کا ایکسچینج اور ڈسکشن
رات گئی دیر تک وہ تمھارا جاگنا
صبح، پھر تازہ دم ہوکر
کوچنگ کو، حسب معمول بھاگنا

لیکن —— ان سب کے باوجود
تم ایس ایم ایس کیا کرتی تھیں اندھیرے اور اجالے میں
اپنے حُسن، اپنی ادا اور اپنے وفا کے بارے میں
مجھ سے سوالات کیا کرتی تھیں، تم اکثر
میرے خیالات جانا کرتی تھیں
لیکن، اچانک —— یہ کیا ہوا تم کو
عرض تمنا گراں گزرا کہ اندازِ بیاں گراں گزرا
دیکھو! تم اک کم سن سی لڑکی ہو
بہت کم ابھی تم نے سیکھا ہے
تمھاری خموشی سے وحشت ہوتی ہے، اب تو
موبائل فون سے نفرت سی ہو گئی ہے
تمھارے میسیج کے بغیر موبائل کاٹتا ہے مجھ کو
تمھارے ایس ایم ایس کی عادت سی ہو گئی ہے
سچ کہہ دوں اگر تم بُرا نہ مانو
اپنے اس انداز سے شکایت ہو گئی ہے۔

OO

محبت کے اس بیکراں سفر میں

عورت تیرے کتنے روپ، تیرے کتنے نام

محبت کے اس بیکراں سفر میں

— کتنے پڑاؤ، کتنے مقام

کبھی کلی، کبھی پھول اور کبھی مرجھائی ہوئی پنکھڑی

کبھی انار، کبھی ماہتاب اور کبھی پھلجھڑی

تخلیق کا منبع، شکتی کا خزینہ تیری ذات

محورِ لامتناہی سلسلہ حیات وممات

شفقت، محبت، ایثار و وفا سب تیرے روپ

سیتا، ساوتری، رادھا، میرا

سچی چاہت کے نقوش

ایک فقط چاہت کا عطیہ، تیرا یہ ہیرے کا روپ

عورت میں ہو گر خود اعتمادی

دوشاسن دروپدی کی سواگت کو آئے

بھیروں خود شیراں والی کی عفت بچائے

عورت ہی حاصل تخلیق دنیا ہے

عورت ہی شعورِ آدم کا پیش خیمہ ہے

خدا نے جو بخشا ہے تجھے نسوں کا جال

عجب اس کی قدرت ہے عجب اس کا کمال

کہیں مینکا تو کہیں مریم ہے تو

کہیں اولاد کی جویا زوجۂ ذکریاؑ ہے تو

انجیل و قرآن سب تیرے رطب اللسان

کہ تو ہی اصل میں ہے دھرتی کی شان

ممتا کروُ نا تیرے نام

اے ماں! تجھے سلام

آغوش مادر کو یوں پہلا مکتب ٹھہرایا

کہ تو نے ہی آدم کو محبت کرنا سکھایا

جس نے دل میں تیرے

سبھوں کی محبت رکھی

اسی نے قدموں میں تیرے جنت رکھی

عقل آدمی آج اتنی کیوں حیران ہے

تو ہی آدمی کی پہلی پہچان ہے

تیرے ہی دم سے رنگ و بوئے کائنات

از ازل تا ابد آدم کی تو ہے شریکِ حیات

سبھوں کا تجھ پر یہ اعتبار ہے

شجرِ حیات کا تو ہی برگ و بار ہے

یہ دُنیا بھی تجھ ہی سے نمودار ہے

گرہست جیون کا آشرم ہے تجھ سے تابندہ

تو ہی بنی پھر آدم کی نجات دہندہ

تو ہی جنت کی پہلی حقدار ہے

ساری عبادت پرستش کی ہے تو روح رواں

اے عورت ایسا تیرا روشن کردار ہے

محبت کے اس بیکراں سفر میں —

تجھ سے ہی زندگی استوار ہے!

○○

وطن عزیز کی کنواری گلیاں

ہونٹوں سے تبسّم چھن گیا ہے
چہرے پہ جو اُداسی چھائی ہے
اے وطن عزیز کی کنواری گلیاں
آج پھر تیری نرم چھاؤں
بہت یاد آئی ہے
جب ان محنت کش ہاتھوں سے
شعلے اُبلے ہیں
ترے ماتھے کے اک جھومر کی خاطر
نہ جانے کتنے خون اور پسینے بہائے ہیں
وہ ہاتھ جنھوں نے
تیری مرمریں بانہوں کے تاج محل کو
بارے استعجاب سے چھوا تھا کبھی

اُس سے اُٹھتی ہوئی

ٹھنڈی آنچ کے احساس سے

آج پھر وہ دہک اُٹھے ہیں پھر گرمائے ہیں

میرے ذہن سمندر میں

آج پھر تیر رہی ہے یخ بستہ یادوں کی چٹان

وقت کی ہر پل بدلتی ہوئی موجیں

ایک دم سے ٹھہر گئی ہیں ابھی

آئس برگ کا یہ بظاہر بے ضرر سا موہوم سرا

سفینۂ دل کو تہہ و بالا کیے دیتا ہے ابھی

میرے ہم دم، میرے ہمراز

بتا جلدی

تنگ گلیوں کی اُس موڑ پر

جہاں غنچوں نے اپنی آنکھیں کھولی تھیں پہلے پہل

کیا اُن گلیوں سے کسی راہ گیر کا

گزر ہوتا ہے، اب بھی؟

تیرے پھول ہونٹوں پہ

کیا اُن بوسوں کا لمس ہے اب بھی باقی

جن پہ تنگ گلیوں کی درکتی ہواؤں نے

ٹوٹتی انگڑائیوں کی نرم فضاؤں نے

مہرِ تصدیق ثبت کی تھی کبھی

میرے ہم دم، میرے ہمراز! بتا جلدی

اِس سے پہلے کہ

میری کشتی وجود اس سے متصادم ہو کے

پاش پاش ہو جائے

دلِ عاشق — جسے سرتاجِ اعضائے رئیسہ کہئے

مکمل قلاش ہو جائے

ہونٹوں سے تبسّم چھن گیا ہے

چہرے پہ جو اُداسی چھائی ہے

اے وطنِ عزیز کی کنواری گلیاں

آج پھر تیری نرم چھاؤں بہت یاد آئی ہے

OO

عصری زبان کا شعور

قوموں کی زندگی
محض زبان سے نہیں
گر فکر ہے بلند
سرحدیں ہیں تنگ
شیریں زبان اردو
کھڑی زبان ہندی
یا مقتدر فرنگی
کارگر تبھی ہے
جب فکر میں ہو بلندی
زبان تو ہے لبادہ
یہ ہے زوال آمادہ
اصل تو ہے خیال

نہ ہوئے پائمال
فکر میں ہے گرپستی
مٹ جائے گی اپنی ہستی
شیریں زبان اردو
کھڑی زبان ہندی
سنسکرت نہ فارسی ہی
عربی نہ ترکی
کہہ گئے یہ شاعر حالیؔ
چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی

○○
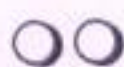
ارتھ محبوبہ ہے

اُس نے کہا تھا:

شبد انمول ہے

شبد امر ہے

شبد انمول نہ شبد امر ہے

شبد ٹھگنی ہے

رنڈی ہے

ہرجائی ہے

جسے کوئی بھی اوڑھ لے

سُلا لے اپنے ساتھ

لبھاتی ہے سبھی کو

رکتی نہیں کسی کے پاس

کر دیتی ہے نراش

ارتھ محبوبہ ہے
آتی نہیں ہر ایک کے ہاتھ
شبد پرتو ہے
ارتھ ہے حقیقت
ارتھ انمول ہے
ارتھ ہی امر ہے

○○

نوستالجیا

(سات سُروں کے سرگم کا)

وقت کبھی ٹھہرتا نہیں
سمندر کی لہروں کی طرح
متواتر چلتا رہتا ہے
لیکن —
تاریک دلدل میں پھنسے ہوئے لمحے
ان ساعتوں کا ارتعاش
چند ثانئے کے سرگم کے سائے
تمام عمر روح میں پیوست ہو کر
انسان کا تعاقب کرتے رہتے ہیں
رحم مادر کی شریانیں جیسے
بحریں موجوں کے مہیب سائے کی طرح

مکین رحم کے ننھے وجود کو

ڈھونڈھتی ہیں بار بار

مڑ مڑ کے پیچھے دیکھتی ہیں اشکبار

مگر —

گزرا ہوا لمحہ — بادِ نسیم کا اک جھونکا

آتا نہیں دوبارہ

کبھی ٹھہرتا نہیں ہے آبِ رواں

ٹھہرتی ہیں تو صرف یخ بستہ یادیں اور —

چند ثانیے کے لئے

تاریک دلدل سے مسلسل

برآمد ہونے والا

سات سروں کا سرگم

○○

خواب خواب منظر

میں نے عہدِ رفتہ کی قدیم تاریخی گپھاؤں میں
برسا برس سے خاموش کھڑی ایک مورت سے پوچھا، قریب جا کے
تمھیں اس طرح سے برہنہ کھڑی رہنے میں حیا آتی نہیں ہے؟
شرم سے اک دم اس کا چہرہ گلنار ہو گیا
پھر کچھ ٹھہر کے وہ کہنے لگی:
میں کسی مصوّر کا خواب،
کسی سنگ تراش کی چاہت کا انعام ہوں
ان حالتوں میں جب مجھے خدا نے سب سے پہلے دیکھا ہے
اور اس سے جب کوئی پردہ نہیں تو پھر بندوں سے پردہ کیسا ہے؟
اس نے پھر کہا: اچھا بتاؤ؟
میرے روپ کو تم اتنی سِمت دِرشٹی کون سے کیوں دیکھتے ہو
یہ کہتے، اس کی استنوں میں اُبال آ گیا، اچانک

کیا مجھ میں ماں کا روپ نہیں دکھتا، تمھیں؟
کیا تم صرف آدم کی اولاد ہو؟
کیا میں بی حوا کی بیٹی نہیں ہوں؟
کیا قابیل کے ہاتھ خونِ ہابیل سے رنگے نہیں تھے، میرے لیے
ہاں! ہابیل کا خون کبھی رائیگاں نہیں جائے گا
رہتی دُنیا تک ہابیل ہمیں بہت یاد آئے گا — کہ
سنگ دل مردوں کو میں نے ہی آشنائے راز کیا تھا
جنسِ محبت سے پہلے پہل سرفراز کیا تھا
حرفِ شیریں کا رس میرے کانوں میں گھلتے ہی
میرا قد ننھے بالک کا ہو گیا، اچانک
جو گھٹنوں سے اوپر چھو نہیں سکتا تھا — اُسے
میں نے جوں ہی شہادت کی انگلی سے چھو لینے کی کوشش کی، اُچک کر
وہ مدماتی، ممتا کی ماری جھک گئی
ہمارے وجود کے ننھے ننھے شانوں پر
کسی ثمردار شاخِ انار کی طرح
پیار کے رس برساتی ہوئی
اپنی ننھی ننھی سنتانوں پر
یکا یک امرت کی دھار بہاتی ہوئی
اور میں نے پلٹ کے جو دیکھا، عقب میں
تو ہزاروں ہی بالک کھڑے تھے اپنے سر اُٹھائے!

واپسی کا سفر

وہی قصہ پرانا ہے
نسل در نسل کا
حوا کی بیٹیوں کی
سرد مہری بھرے قلبِ حجر کا
قابیل سے شہریار تک
رکھے ہے علاقہ
رشتہ گونگے سفر کا
ایک سراپا التفات اور بندگی
ایک قطعی بے نیاز
پتھر کے صنم
کیا یہی ہے وطیرہ
تیرے نظر کرم کا

دستک

ضربِ کلیم

دمادم اصرار کہ کھل جا سم سم

ارتعاش بداماں

کاسہ بدست

ہم منتظر بہ دیدار

ادھر سنگ مرمری سرد گم صم

پہلوئے آدم سے

پہلوئے آدمی تک واپسی کا سفر

خوں بداماں

لہولہان زخمی قدم

خلیج حائل ہے درمیاں، اور...

ناقابل عبور ہے انتظار کا دوسرا کنارہ

فعلِ عبث، گناہِ آدم کا کفارہ

تو ہی تو

بس اک تیرے ہی نظر کرم کا سہارہ

یہ کیسا رشتہ ہے

قلب و نظر کا

جسم سے جاں تک گونگے سفر کا

ڈانڈیا ناچ

تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

مجھے یاد ہے سب ذرا ذرا

وہ سماں

وہ لمحہ

میرا اثاثۂ حیات ہے

وہ کھلا آسماں

وہ دھرتی کے پھولوں کا جم گھٹ

وہ ستاروں کا جہاں

نمگیرے تلے کی وہ رونقیں

شبنمی فضا میں گرم جسموں کی مہک سے اُٹھتا خمار

وہ تیرا نیم شب رقصِ کناں ہونا

مرمریں بانہوں میں

خوش رنگ ڈانڈیوں کا متحرک ہونا
وہ تیرے روپ کا نکھار
وہ تیرے تشنہ جسم کی پکار
وہ تیرا صد رنگ اداؤں سے جلوہ نما ہونا
دلفریب نظارہ، بانہوں کے درمیاں
زیرِ ناف چمکتی ہیرے کی کنی
پرانی جنس تھی زیریں کمر پھنس کے چڑھی
جنس سے اُٹھتا مرتعش دھواں
عمیق چاق گریباں سے منھ زور آرزوؤں کا
مچلتا ہوا آبِ رواں
وہ ڈانڈیوں کے متواتر ٹکراؤ سے گونجتی صدا
وہ ترے یکلخت گھومنے سے مہک اُٹھتی تھی فضا
وہ ترے انگوں کے انجان لمس سے دل کا دھڑکنا
وہ سانسوں کا اُکھڑنا، وہ ارمانوں کا بہکنا
وہ ماں جگدمبے کے چرنوں میں تیرا سمرپن
وہ ہزار ہا چشمِ حیراں میں
تیرے گداز جوبن کا درپن
اور...
تجھے چاہنا میرا من ہی من

تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

مجھے سب یاد ہے ذرا ذرا

وہ سماں

وہ لمحہ

میرا اثاثۂ حیات ہے

میں تنہا کہاں ہوں؟

اب بھی

تیری خوشنما یادوں کی

ایک کائنات میرے پاس ہے

اے نازیۂ حسن و جمال

کون کہتا ہے؟

شہریار اُداس ہے!

○○

یہ کیسی مسموم ہوا چلی ہے

آج کی رات یہ کیسی مسموم ہوا چلی ہے ابھی
زخم یادوں کے مہک اٹھے ہیں ابھی
دل کی وادی میں اک چنگاری سی سلگ
اٹھی ہے ابھی

ہاں!
محوِ خواب ہوں گے، محلوں میں ابھی
وہ سبھی سازش پرداز
وہ سیاس و کمینہ پیشہ جن سے لازم ہے احتراز
وہ ہم نشیں جو اہلِ دول سے رکھتے ہیں ساز باز
وہ امن و اُخوت کے دشمن
وہ فتنہ گروہ جعل ساز
وہ بظاہر ہمنوا، وہ بظاہر ہم رکاب

وہ بظاہر راز داں، وہ بہ باطن چغل باز

ہائے

وہ احمریں ہونٹ

مخملیں باہیں، پُر امن گیت کو

سسک اُٹھے ہوں گے ابھی

ہائے

وہ موتیئے بیلے جوہی رات کی رانی

میٹھے درد سے مہک اُٹھے ہوں گے سبھی

لیکن

آج کی رات میرے ذہن کی کوکھ میں کیوں

کیکر وناگ پھنی اور گوکھر وو ببول کے پودے

بے چین ہیں جنم لینے کے لیے

فصلِ بہار — اور یہ مسموم ہوا کیوں ہے؟

چاند تاروں سے روشن آسمان اور -------

یہ ظلمت کی گھٹا کیوں ہے؟

کیوں درد کے زخموں نے سینے میں منھ کھولے ہیں

کیا آج کی رات پھر کوئی تازہ قہر نازل ہوگا

آج کی رات کیوں، پھر یہ قیامت آئی ہے

یارو آؤ! جشنِ بہاراں کرلو

یادِ جاناں سے تا دمِ صبح،

دل کو دھڑکتا رکھو

خون رگوں میں، نور آنکھوں میں

مشعلِ انقلاب کا

بھڑکتا رکھو

نیند پلکوں سے جدا

نظر سوئے وفا، لب پہ شکوہ نہ گلہ

تم کو لبِ لعلی کی قسم

خود کو جگتا رکھو

بس کچھ ہی دیر میں سحر ہونے والی ہے!

○○

مصنوعی دل

تم نے پیرس سے جو تصویر بھیجی ہے
بہت ہی خوب ہے
خصوصاً وہ تمھارے شگفتہ ہونٹ،
شعلہ بار آنکھیں، سنہری زلفیں اور
وہ نوکیلے تراشیدے ناخن۔
ان کے مصنوعی ہونے کا ذرا بھی شائبہ نہیں ہوتا
تمھاری تصویر واقعی بہت دلکش ہے — لیکن
تمھارے شہر میں کیا مصنوعی دل بھی ملتے ہیں؟
اس لئے کہ مجھے ڈر ہے کہ
اب کہ جو ہم ملے تو
تمھارے حسن کی تاب نہ لاسکوں گا، میں

چنانچہ جب تم وطن کو لوٹو، تو
ایک عدد میرے لئے دل بھی لیتی آنا
کیوں کہ ہاتھ اور ٹانگیں تو مل جاتے ہیں یہاں
مگر دل کا معاملہ کچھ عجیب ہے
اب بھی اپنے گاؤں میں
مصنوعی دل نہیں ملتا!

OO

آج کا عہد نامہ

اب بند بھی کر دو یہ مندر مسجد
کس کام کا اب یہ گردوارہ ہے؟
سب سے بڑھ کر آج ہم کو دیش ہی اپنا پیارہ ہے!
انہی مندروں نے
انہی مسجدوں نے
دیش کا کیا بٹوارہ ہے!!
یہ اردو ہے وہ ہندی ہے
وہ اردو ہے یہ ہندی ہے
بھاشاؤں میں انتر ہے
یہ اعلیٰ ہے وہ ادنیٰ ہے
یہ افضل ہے وہ کمتر ہے
چالیس برسوں سے دیش میں

یہ اک الگ بیکار کا نعرہ ہے!
منش منش میں انتر ہے
کوئی ہیرا ہے کوئی کنکر ہے
مزدور ہے اپنی قسمت سے مزدور
سرمایہ دار اپنی قسمت سے سرمایہ دار ہوا
یہ روایت ہے فرسودہ،
یہ جاگیردارانہ وچار کی دھارا ہے!
آج مساوات کی راہ میں
یہی سب سے بڑا سنگ پارہ ہے!!
آؤ ساتھیو! عہد کریں ہم
ایک دیش کے باشی ہیں ہم
ایک ہماری — پریت پیار کی بھاشا ہو
ایک ہو اپنا — مقصد
نہ کوئی ادنیٰ
نہ کوئی اعلیٰ
نہ کوئی ہیرا
نہ کوئی کنکر
سب ہوں ایک سمان!
نہ کوئی مزدور
نہ کوئی سرمائے دار، رے ساتھی نہ کوئی سرمائے دار

بلکہ اپنے سکھ دکھ کے

سب ہوں ساجھے دار، ساتھیو! سب ہوں ساجھے دار

آؤ ساتھیو! عہد کریں ہم

آؤ ساتھیو! عہد...!!

○○

کسان ہیں کسان!

ہر روز، یہ سورج کو کاندھوں پہ لئے کون چلا آتا ہے
راتوں کو سیاہی کے سمندر سے الجھتا رہتا ہے
کون ہے یہ؟
حضور!

مزدور ہے مزدور
کسان ہے کسان
جس نے آپ کو شہریاری بخشی
جو خود تو رہا زمانے میں دہقاں ہو کر
لیکن ------

زمانے بھر کو بنایا ہے جس نے مہذب انسان
یہ کسان ہے کسان!
جس نے اجنتا وایلورا کو اپنے ہاتھ کی ہڈیوں سے تراشا

جس نے قطب و تاج کو اپنے خونِ جگر سے ہے ڈھالا

حضور!

یہ مزدور ہے مزدور

جو رات کو درد سے کراہتا ہے پھٹے بستروں پر

جو شام سے جلتا رہتا ہے اندھیرے گھروں میں پیہم

جس کی بیوی راتوں کو روتی ہے

جس کی اولاد بھوکی سوتی ہے

یہ انسان جیسے ہوتے ہیں

مگر — کسان ہیں کسان

○○

ایک آرزو

میری زندگی
پانی کی ایک بوند سہی
اک بے رنگ قطرہ
تمہاری دید کی روشنی
بنا سکتی ہے اسے
ست رنگی قوس وقزح

میری حیات
مٹی کا کوزہ
سازِ دل چھیڑو
جل ترنگ کے
ساتوں سر

ہیں اس میں پوشیدہ

میری ہستی
نیلگوں آسماں
اس کے آنچل میں بھر دو
شفق کے تمام رنگ
لال پیلے نیلے اُودے...

میرا وجود
بے نور فلک
دے دو تم اپنی اک جھلک
چاہت کے چند نظارے
جھلملا اُٹھیں گے سب
چاند ستارے

میری آرزو، میری آبرو
تیری جستجو ہاں! تیری جستجو

OO

مادرِ مہربان

کسے خبر تھی
سایہ فگن شفقت
یوں ایک روز اچانک ڈھل جائے گی
جس کی آغوش نے میری پرداخت کی
وہ زمین پیروں تلے سے نکل جائے گی
انگلی تھام کر جس نے چلنا سکھایا
راہوں کے نشیب و فراز سمجھائے
وہ خود اک دن
وقت کے خلا میں تحلیل ہو جائے گی
لوری گا گا کر جس نے سُلایا
گدگدیاں کر جس نے جگایا
وہ میری خاطر تنہا ساری تلخیاں نگل جائے گی
وہ صدائے دل نشیں

جس نے ننھی زباں کو صوتِ غوں غاں سے آشنا کیا

وہ خود ایک دن

ابدی سکوت میں بدل جائے گی

وہ شمع

جس نے روشن کیا قربتوں کو

صبح کاذب یوں یکلخت پگھل جائے گی

اے میرے مینارۂ نور

میرے نقیب، میرے ہادی

قدرت نے مجھ کو یہ کیسی سزا دی

سوچا تھا ایک دن، جب زندگی کچھ سنور جائے گی

اس کے قدموں پہ نثار کردوں گا، دُنیا کی ساری خوشیاں

لیکن — یہ معلوم کسے تھا؟

کہ مادر مہربان

نصفِ سفر، چھوڑ کے ہم کو بے یار و مددگار

خود، اتنی عجلت میں سوئے اجل جائے گی

○○

تعاقب اپنے ہمزاد کا

چھوڑ آیا ہوں میں اپنا چھوٹا سا گھر
تعاقب کرتا ہے وہ اب میرا عمر بھر
جنگل کنارے، پربتوں کے تلے
ہری بھری وادیوں میں
جہاں بہتے تھے برساتی پرنالے
چھوڑ آیا ہوں میں اپنا چھوٹا سا گھر
حدِ نگاہ تک وہ خوشنما منظر
بادلوں کی اُوٹ سے پہاڑی نظارے
بجلی کی چمک، بادل کی گرج
کبھی گھنگھور گھٹائیں، کبھی بارش کی پھواریں
کبھی چھت ٹپکتی تھی تو کبھی ہلتی تھیں دیواریں
کتاب کاپیوں کو سینے میں چھپانا

سرد ہوا کے جھونکوں سے چراغ کا ٹمٹمانا

وہ تیرا معصوم چہرہ

وہ تیرا بھیگی پلکوں سے مسکرانا

وہ آزمائش کی کالی راتیں، وہ امتحانوں کا ڈر

چھوڑ آیا ہوں میں اپنا چھوٹا سا گھر

حافظے میں دفن ہے جس کا اب بھی وہ منظر

مٹ میلی سی تھیں جس کی دیواریں

سرخ تھا جس کا چھپّر

جنگلے کی کمزور سلاخوں سے

آنکھوں میں آنسو لیے

ایک لڑکا —— دیکھا کرتا تھا

قومی شاہراہ کا منظر

جہاں سے دیوانہ وار بسوں اور ٹرکوں کا کارواں

بھاگتا دوڑتا رہتا تھا بڑے شہروں کی سمت

ہاں! بڑے شہروں کی سمت

جن کی خود لاپتہ تھیں سمتیں!!

آج چالیس سال بعد وہ لڑکا سوچتا ہے

بڑا شہر سراب ہے، سنہری ہرن کا خواب ہے

بڑے شہر کی چاہ میں دوڑتے دوڑتے

وہ بے سمت، بے منظر، بے گھر ہو گیا ہے

لیکن — پھر کبھی کبھی اسے احساس ہوتا ہے

اس کی بھی اپنی اساس ہے

اس کا سہانہ منظر اس کے پاس ہے

اس کا بھی اپنا گھر ہے

وہ چھوٹا سا گھر وہ مٹ میلی دیواریں،

وہ سرخ چھپّر

جہاں آشنا نگاہیں

جہاں محبت آمیز باہیں

آج بھی اس کا انتظار کر رہی ہیں

اس شہر کو چھوڑ کر اک دن وہ چلا جائے گا

وہاں سے پھر کبھی کہیں بھی نہیں جائے گا۔

○○
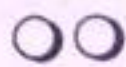
قطب مینار

قطب مینار
اے پُرشکوہ قطب مینار
تیری عمارت شاندار
تیرے بیل بوٹے
تیرے نقش ونگار
لازوال
تو کسی کی عظمت کا ہے یادگار
تو کسی قوم کی فتحمندی کا ہے امین
تو کسی ملک کی سیاست کا ہے تاجدار
قرآن کی آیات سے ہیں مزّین
تیرے خشت وسنگ، تیرے روپ ورنگ
اور تیرے بلند وبالا درودیوار

قطب!

تو کسی کی قوتِ ایمانی کا ہے نشان

تیرا جلوہ روشن تر

تو ہے پُرنور مینارہ

شبِ ظلمت میں روشنی کا نشان

تیری رفعت عالی شان

تیرے اونچے دریچے،

تیرے بے مثل ستونوں کی قطار

تیرے آفاقی محراب

جس کی فضا میں گونجتی ہے، آج بھی اذانوں کی آواز

اے ارتقائے آدم کے نقیب

اے تہذیبِ گنگ و جمن کے علم بردار

اے قطب!

اے پُرشکوہ قطب مینار

کیوں تیرے سائے سے دور

آج تیرا مختار

مسجد کے شکستہ صحن میں، کھجور کی چٹائی پر

ہو رہا ہے ذلیل و خوار

کوئی اسے پوچھتا نہیں

آنے والے سیاحوں کا ہجوم

تیرے تب و تاب کو، تیرے حسن و جمال کو

اپنے کیمرے میں بھر لینے کی چاہ میں

زاویے بدلتا ہے بار بار

ظفر یابی کے ستون کو چھوتا ہے دیوانہ وار

اے شاعر خوش فکر، اے شہیدِ جستجو

لے کھل گئی تیرے لئے آج یہ میری زباں

خانۂ دل پر میرے منقّش تو ہیں آج بھی

حرفِ قرآں

لیکن — قرآن کی آیات سے

خالی ہو چکا ہے دلِ مسلماں

بے شک یہ ذلیل و خوار ہے

لیکن ——

اللہ میرا محافظ ہے، اللہ میرا پروردگار ہے

میں مہرولی کا نشان ہوں

حق و باطل کے میدانِ جنگ میں

فتحِ حق کا نشان ہوں،

مشترکہ تہذیب کا دیار ہوں،

قطب کی لاٹ ہوں!

میں قطب کا ہی مینار ہوں!!

○○

جامد لمحوں کے سائے

چولا بدلنے سے
خصلت نہیں بدلتی لوگو!
تم اپنے صحت مند جسم پر چاہے کتنا ہی
غازہ مل لو
اس سے روح کے زخم کبھی بھر نہیں سکتے
روح کی پیاس بجھانے کے لیے
تمہیں ان ہی مٹی سے اُبلتے ہوئے چشموں کی
ضرورت ہوگی — ایک دن
خوشبو بن کر آکاش پر اُڑنے والوں کو بھی
ابدی سکون مٹی کے ہی بستروں پہ ملا کرتا ہے
وقت ٹھہر جاتا ہے
جہاں جامد لمحوں کے سائے میں

ملتے ہیں دو پیار بھرے دل
تخلیقِ نو کا خمار لیے
وہی سچ ہے!
وہی تقدس کا ہے اصلی جہاں
وہی ہے خدا کا ازلی مکاں!!

○○

پتھروں پر آباد نئی روشنی کا انوکھا شہر

اکثر نیم شب مہتاب کے دھندلکوں میں
نیم تاریک راہ گزاروں پر
جلتے بجھتے تاروں کی میٹھی چھاؤں میں
جب رات گزرتی ہے دبے پاؤں،
شبنم فشاں خنکی لیے
یہ ننھی ننھی چڑیلیں
شیطان کی خالائیں
چٹانوں کے عقب سے نکل کے
اپنی عجیب ہیجان انگیز اداؤں سے
کسی پاکیزہ نفس، جاتے ہوئے نوجوان کا
کسی خدا ترس 'یوسف' صفت آدم زاد کا
رستہ روک لیتی ہیں،
یہ ننھی گوری گوری پری زاد حسینان شمال مشرق

کہ جن کے جسم کے رنگ واشکال جدا ہیں لیکن
شدتِ پیاس میں کوئی فرق نہیں ہے
خواہ وہ مغرب ہو کہ مشرق
یہ حسینائیں
پھینک کر اپنے قہقہوں کی نقرئی آوازوں کا چھلہ
نوحؑ کے بیٹوں کو بڑھنے سے روک لیتی ہیں
کبھی گزرتے میں
بھینی بھینی خوشبوؤں میں بسی
اندھیروں کی اوٹ کی سرگوشیاں
لذتِ گناہ کی دُہائی دیتی ہیں،
ابن مریمؑ کو مسیحائی سے ہٹا دیتی ہیں
اور .....
بار بار چھلا کر یہ سوچتا ہے
شاعر شوریدہ سر
شاعر روشن ضمیر
کس قدر ظلمتوں میں ڈوبا ہوا ہے
پتھروں پر آباد
نئی روشنی کا یہ انوکھا شہر
شہر علم و دانش
عرف عام میں جسے کہتے ہیں ہم جے این یو

OO

کھاڑی یدھ کی باتیں

اے میرے ہمدم، میرے ہم نشیں
آج کا دن بھی یوں ہی بیت گیا
گھر سے کوئی چٹھی نہیں آئی
کھاڑی یدھ کا آج بارھواں دن ہے
کویت سے بڑے بھائی کو واپس آئے
ساٹھ دن ہو گئے ہیں۔
تب سے آج تک اپنے گھر سے
کوئی چٹھی نہیں آئی ہے
اے میرے ہمدم، میرے ہم نشیں
آج کا دن بھی یوں ہی بیت گیا
ہاسٹل کے لیٹر بکس میں چٹھی ڈھونڈھنا
عادت سی ہو گئی ہے

خط نہ پا کر واپس لوٹنا
عادت سی ہوگئی ہے
مایوس قدموں سے ایک دو نہیں
چوّن زینے طے کرنا
عادت سی ہوگئی ہے
دوسروں کے خطوں کو رشک آمیز نگاہوں سے دیکھنا
اپنی ہی، آنسوں بھری، نظروں میں جھینپنا
اوروں کے چہروں پہ خوشیوں کو پڑھنا
اپنے دل میں دکھوں کا اُبھرنا
دل ہی دل میں کڑھنا، جلنا مچلنا عادت سی ہوگئی ہے
حتیٰ کہ چٹھی نہ پانے کی بھی عادت سی ہوگئی ہے
لیکن —
ماں کی مریضانہ ممتا
بہن کی ڈھلتی ہوئی خوشیاں
باپ کی ایسی پُر درد دعائیں
بچوں کی اپنی ننھی منّی دُنیا
چھوٹی موٹی مانگیں، نئی اُمنگیں
میٹھی پیاری پیاری
توتلی باتیں — بھلا کب چین لینے دیتی ہیں
کاش! میں ایک پنچھی ہوتا

آپ ہی رہرو، اپنا رہبر
اپنا رستہ، اپنی منزل، اپنا آب و دانہ
— مگر ایسا کہاں ہوتا ہے؟
ہر دن آنے والے دن کے انتظار میں بیت جاتا ہے
جانے وہ دن کب آئے گا
کھاڑی یدھ کا آج بارھواں دن ہے
عراق پر امریکہ دوارہ لگاتار بمباری جاری ہے —
کویت سے بڑے بھائی کو واپس ہوئے
ساٹھ دن ہو گئے ہیں —
آج بھی کوئی چٹھی نہیں آئی!
میرے ہمدم، میرے ہم نشیں
لگتا ہے آج بھی کوئی چٹھی نہیں آئے گی
شاید اب کبھی چٹھی نہیں آئے گی!!

○○

ماں کے نام ایک نظم

ماں تو بیمار ہے
تیری یادوں کا تازہ زخم مہک اٹھا ہے ابھی
لیکن تیرا لال — تجھ سے دوٗر
بہت دوٗر رکر بھی کیا سکتا ہے
غریب الوطن ہے
جہاد میں ہے
محاذ جنگِ حیات میں گھرا ہے
بیچ میں ایک طوفانی آگ کا دریا ہے
اودھ اور اجودھیا میں شعلے بھڑک اُٹھے ہیں ابھی
کتنے گوتم کو جلایا جائے گا،
کتنے مسیح مصلوب کیے جائیں گے ابھی
کتنی مریم کو سرِ بازار نیزوں پہ اُچھالا جائے گا ابھی

کتنے بھیڑیوں کے حلقوم لہوؤں سے لبریز ہوں گے ابھی
ابھی تو ریل کی پٹریوں پہ لاشوں کو سجایا جانا باقی ہے
ابھی مسدود ہیں سب راستے
مشکل ہے سفر کرنا، جو اُڑ کے آنے کی بات آئے
تو دُشوار ہے اُڑنا
کہ لکشمی کے نام نہاد بھگتوں
اور اس دھرتی کے تازہ خداؤں نے
سائنس کے برکات کو
ارتقائے انسانی کے انعامات کو
اپنی آہنی تجوریوں میں سمیٹ رکھا ہے ابھی
ماں تُو بیمار ہے
لیکن تیرا لال — تجھ سے دُور
بہت دُور ہزاروں ماؤں کے دکھوں کے
درد کے درماں کے لئے!
محاذ جنگِ حیات میں گھرا ہے
جہاد میں ہے
کیا تُو اپنی جیسی ہزاروں ماؤں
کے دکھ اور درد کے درماں کے لئے
اپنے ایک بیٹا کی قربانی بھی نہیں دے سکتی؟
صبر کر ماں صبر! —

صبر کر ماں کہ تو بیمار ہے

اور تیرا لال — تجھ سے دوٗر

بہت دوٗر

محاذ جنگِ حیات میں گھرا ہے

زیرِ گرداب ہے

بیچ منجدھار ہے

ابھی غریب الدیار ہے!!

○○

جمشید پور: فردوس جھارکھنڈ

رنگینی ایسی کہ طاؤس جھارکھنڈ
خوبصورتی میں ہے فردوس
میرا وطن، میرا وطن
شہر آہن، میرا وطن
پُر فضا ہرا اک چمن
جوبلی پارک اور ڈمنہ لیک
رنگین، اُفق کو چھوتے فوارے
حسین جھرنوں کے تھرکتے نظارے
قدرت کا ایسا دلکش بانکپن
عنقائے عالم ہے!
تانبے کا رنگ، نیم برہنہ بدن
آدی واسیوں کا بن

نشانِ چین و امن

میرا وطن

ندی نالے، تالاب اور پن گھٹ

جواں دل شاعروں وادیبوں کا جم گھٹ

سیاہ رات میں جب یہاں آہن پگھلتا ہے

گوشۂ آسمان سے، گویا —

کوئی سورج نکلتا ہے!

دریائے سورن ریکھا کے ذرّے مچلتے ہیں

وجودِ انساں یہاں، یوں سانچے میں ڈھلتے ہیں

سونا تپ کر ہی بنتا ہے کندن

محنت کشوں کا درپن

میرا وطن، میرا وطن

آم اور مہوے کی خوشبوؤں سے مہکتا ہے

تو رنگ و نور سے

صفائی سے چمکتا ہے، گھر آنگن

میرا وطن، میرا وطن

اردو کا یہ گہوارہ ہے

ہندی اردو کا ہے سنگم

یہاں کا مشاعرہ یادگار رہے

یادگار رہے کوی سمیلن

میرا وطن، میرا وطن
حسینوں سے بھی حسیں ہے
یہ ہمارا وطن!

○○

ناری سے ناری کا رشتہ

کیا تم نے کبھی

کسی امر بیل کو امر بیل کا رس چوستے دیکھا ہے،

پھر یہ ناری کا ناری سے رشتہ کیسا ہے؟

نر اور ناری، پیڑ اور بیل

ہیں ایک دوسرے کے تکملے

نر اور ناری سے چلتی ہے

زندگی کی گاڑی

کیا تم نے کبھی

کسی گاڑی پر گاڑی کو چلتے دیکھا ہے،

پھر یہ ناری سے ناری کا رشتہ کیسا ہے؟

گاڑی اور سواری

ایک دوسرے کے ہیں مشتملے

پھر یہ سواری سے سواری کا رشتہ کیسا ہے؟

نر اور ناری

پیڑ اور بیل

گاڑی اور سواری کا رشتہ سچا ہے

باقی رشتے ہیں فضول

حوادثِ زمانہ سے نبرد آزما ہوتی ہیں چٹانیں

موم کی گڑیائیں پگھل جاتی ہیں

دھوپ میں تو اکثر

ہوا کے رخ پہ اُڑ جاتی ہے دھول

رسیلے پھل پانے کے لئے کلیوں کو

پہلے

بننا پڑتا ہے پھول

نر سے ناری کا جو سچا رشتہ تھا

آج کی کچھ ناریاں

اسے گئی ہیں — بھول

ارتعاش کی آواز

عشق ہے،
دو وجود کے یکجا ہونے کی
خواہش کا نام
دو وجود روحانی
یا پھر
دو وجود جسمانی
دوسرے کو خود میں سمانے کا نام
ذرّے کا بے پناہ وسعت میں
کھو جانے کا نام
عشق ہے۔
عشق ہے بندے کا معبود سے کلام
معبود نے ہی عبد میں یہ جذبہ

ودیعت کی ہے

انسان نے جو انسان سے

محبت کی ہے

عشق ارضی ہے،

زینۂ اوّل

منزل مقصود تک پہنچاتا ہے

عشق ہی سے دُنیا تابندہ ہے

عشق ہی سے ہر خواب

درخشندہ ہے

حتیٰ کہ مالک کونین کا

افسانہ بھی زندہ ہے

عشق دو وجودوں کو ملاتا ہے

عشق جسے ہو جائے

وہی خدا کو پاتا ہے

عشق بھی

عاشق بھی

معشوق بھی

خدا ہے!!

ذرہ ذرّہ ہے اسی سے وابستہ

ہر ذرّے میں ہے وہی پیوستہ

ہمہ اوست !

ہمہ اوست !!

محبوب،

خود سپردگی چاہتا ہے

حبیب سے بندگی چاہتا ہے

بندگی،

صوفی کا استغراق ہے

معرفت کا معراج ہے،

تو

مسببِ کائنات ہے عشق

اصل مقصدِ حیات ہے عشق

صورِ اسرافیل،

بال جبرئیل،

ضربِ کلیم،

عشق ہے یقین خلیل

عشق انساں کو ہمراز بنالیتا ہے

عشق انساں کو ممتاز بنادیتا ہے

باہم راز و نیاز

عالی مراتب سے سرفراز

جب دو وجود آپس میں ملتے ہیں

فلک پہ فرشتوں کے پر جلتے ہیں

الغرض،

عشق جسمانی محض ایک ساز ہے

عشق روحانی اس ساز کے ارتعاش سے

اُٹھتی ہوئی آواز ہے!!

○○

رشتہ پیراہن جاں کا

اب جانے بھی دو
تم اپنی ڈگر
ہم اپنی ڈگر
رشتہ پیراہن جاں کا
ہے مکاں سے لامکاں کا
تم نے جب 'نہ' ٹھان لیا ہے
میں نے بھی اب ہاں! مان لیا ہے،
تمہارا وجود اپنا ہے
میرا کیا ہے!؟
حسرتیں میری اپنی ہیں،
اپنا میرا سپنہ ہے،
شاخِ گُل سے کلیاں توڑنے

کی خواہش

رسیلے ہونٹوں سے

خوشبو نچوڑنے کی خواہش

خواہش اندر خواہش ہے

خول در خول

پیاز کے چھلکوں کی طرح،

''خواہشات تو لامحدود ہیں۔''

ہاں! البتہ

انسانی وسائل ہیں قلیل

تنگ کچھ میرے بھی حدود ہیں

لیکن —

اُمید کا دامن کسی نے مرتے دم تک

کب چھوڑا ہے؟

کبھی تو یاد آئے گی میری

کبھی تو دل تیرا بھی پسیجے گا،

کبھی تو مائل بہ کرم ہوگا

مانا کہ تم تغافل نہ کروگے ہرگز

جسدِ خاک میں طاقت بھی نہ ہوگی

لیکن —

یہ کلیہ ہے سارے عالم کا

سمتِ آہن ہی بدلا ہے ہمیشہ
مقناطیس کا رُخ
ذرّاتِ آہن میں جب مچتی ہے ہل چل
منھ چوم لیتے ہیں وہ مقناطیس کا بڑھ کر
میری جان! میرا یقین کرو
روح شاعر بالیدہ رہے گی، ہر دم
قصہ تیری چاہت کا
ہے رشتہ پیراہن جاں کا
جیسے رابطہ تیر سے کماں کا
جو کبھی خم نہ ہوگا!
کبھی ختم نہ ہوگا!!

○○

مٹی کا گھروندا

زندگی کیا ہے؟
مٹی کا گھروندا ہے!
سخت زمین پر
جب بارش ہوئی
مٹی کچھ نرم پڑی
آس پاس مہک اُٹھی
سوندھی گیلی مٹی
مٹی کو خوب گوندا
خوب پچکارا
تب
زندگی پنکھ لگا کر
اُڑنے لگی

سندر سپنے آنکھوں میں

سجنے لگے

جب مٹی تیار ہوگئی

اُسے ایک شکل دے دی

شکل کو پیار کیا

لاڈ سے پالا

سجایا سنوارا

سونے چاندی

ہیرے موتی

سب ہیچ تھے

اس کے آگے

جب کایا سوکھ کے ٹھونٹھ ہوئی

نوک پلک جتنے تھے

سب بکھرنے لگے

طبیعت بھر گئی کھیل کے

چھوڑو سب فضول کی باتیں

مایا موہ

اور ناتمام حسرتیں

اُوب چکی جب پوری طبیعت

باقی رہی نہ کوئی رغبت

گھروندا دیا توڑ

منھ زندگی سے

لیا موڑ

زندگی کیا ہے؟

مٹی کا ایک گھروندا ہی تو ہے!!

○○

مٹی کا دیا

زندگی کیا ہے؟
مٹی کا دیا ہے!
جب تک باتی میں ہے تیل
تب تک بالک کا ہے کھیل
مٹی پھر مٹی ہے
سنبھال کر رکھ دیا
مٹی گر گر کر ٹوٹ گئی
زندگی، سمجھو روٹھ گئی
تیل گر بہہ گیا
باتی سمجھو سوکھ گئی
بن باتی دیا بے کار رہے
بن تیل باتی بے کار

روح جب تک تن میں ہے

زندگی کا سروکار ہے

روح بِن زندگی

چلتی نہیں

بن تیل

جوں باتی جلتی نہیں

ایسا دیا کس کام کا

جو اندھیرے میں روشنی نہ دے

ایسی زندگی کس کام کی

جو اُداسوں کو خوشی نہ دے

مورکھ کچھ کام کر — کام!

دیا اندھیرے میں جلا

زندگی سے پیار کر

اوروں کی نیا پار لگا

اپنی بھی نیا پار کر

رات ہوتے ہی پھر

آرام کر

مورکھ!

کوئی نہ جانے
زندگی کی کب شام ہو جائے

رازِ حیات

پوچھتے ہو زندگی کیا ہے؟
پیڑ سے گرا زرد پتا ہے!
سکت اس میں نہیں اُپجنے کی
توانائی کہاں سے دے وہ
پیڑ کو پھلنے کی
جب تک شاخ سے جڑا تھا
اس کے دم سے ہی
پیڑ ہرا تھا
ایک بار جو پتا ٹوٹ گیا
زندگی سے رشتہ چھوٹ گیا
جسم کے پیڑ پر
روح ہے ایک نایاب کلی

اوس کے چھوئے سے
کبھی مسکرائی کھلی
کبھی کھل کے پھول بنی
ہواؤں کی گدگدیوں سے کبھی
لہرائی مچلی
کبھی تپشِ دھوپ سے
مرجھا گئی
کبھی لوگوں نے گلے سے لگا لیا
کبھی پامال ہوئی
کبھی انگلیوں سے گئی مسلی
کبھی سوکھ کر بکھری
گرد و غبار کا حصہ بنی
خاک سے اُٹھی
خاک میں پلی
خاک میں ملی

پھر بھی،
پوچھتے ہو زندگی کیا ہے؟
رازِ حیات،
اسی روح میں پوشیدہ ہے!

برسات کی ایک نظم

برسات کی سوندھی خوشبو
بارش کی نرم پھوار
ہوا کے شوخ جھونکوں میں
عنبریں زلفوں سے ڈھلکتا ہوا آنچل
رنگین جیئے پوری چتّی سے
دب دب کر
اُبھرتا ہوا شباب
سرخ حیادار آنکھوں سے بکھرتی ہوئی لالی
ایسے بھیگے ہوئے موسم میں
دو جلتے ہوئے کنوارے ارمان
ایک درخت کے نیچے کھڑے
کچھ اس طرح ملے

کہ آنکھوں کی چلمن جل اُٹھی

کپکپاتے ہوئے ہونٹھ باہم مدغم ہوئے

گدرائے ہوئے دو بدن کچھ یوں کسمسا اُٹھے

کہ

سورج نے اُن پر تان دی

قوسِ قزح کی

نرم و نازک

چادر!

OO

قتلِ صدام حسین

امریکہ کو شیطانِ بزرگ کہنے والے
آج قتلِ حسین پر نازاں ہیں
شیدا ہیں، رقصاں ہیں
منیٰ میں ایمان والے
شیطان پر کنکریاں مار رہے ہیں
— ایک طرف
دوسری طرف
شیطان بزرگ کو خدا بنا رہے ہیں
کوفہ و بصرئی والے
کوفہ جو دغا بازوں کی دھرتی تھی
جہاں حسین کو دھوکے سے مارا گیا
بغداد، دراصل باغ داد تھا کبھی

انصاف کا باغ — آج مانا کہ خزاں رسیدہ ہے

کل پھر سرسبز و شاداب ہوگا

ایک صدام قتل ہوا تو کیا ہوا

خونِ ناحق رنگ لائے گا، ایک دن

دُنیا والو!

ہزار ہا صدام پھر لوٹ کر آئیں گے

صدام کا جسم پھانسی پر چڑھا ہے

ولیکن، گوشت پوشت کا نام صدام نہیں

جسم کو موت آتی ہے مگر مرنا روح کا کام نہیں

روحِ صدام، قوم کے سینے میں

دھڑکے گی دھڑکن بن کر

مانا کہ مغرب دماغ میں جیتا ہے

مشرق تو مگر سینے میں

دل بن کے دھڑکتا ہے

اگر عقل کا سر اونچا ہے

تو محبت کا دل بھی وسیع ہوتا ہے

حقِ انسانیت کے دعویدارو!

دل و دماغ کے توازن کو نہ بگاڑو!

کہ توازن سے ہی

عالمِ انسانیت کی بقا ہے!!

○○

شیطان بزرگ کو خدا ماننے والو!

بش کے دام میں
خود کو الجھانے والو!
ہر فرعون را موسیٰ ہوتا ہے
صبح صادق میں صدام کا قتل
عرفات کے میدان میں جاری تھی جب
سعئ پیہم
عید قربان پر
صدام حسین کی قربانی
بصریٰ و کوفہ والوں کی یہ ہرگز نہیں نادانی
شیطان بزرگ کی سیاست ہے،
ہے یہ چال شیطانی
عراق اور ایران کو خوب ہتھکنڈہ بنایا ہے

دنیا کا دستور ہے کہ کانٹے سے

کانٹا نکالا جاتا ہے

آج عراق ہے تو کل ایران کی باری ہے

اس گورکھ دھندے کا

امریکہ سب سے بڑا مداری ہے

چشم شاعر نم ہے

ہر سو غم کا موسم ہے

جشن نہ مناؤ میرے ساتھیو!

یہ امتحان کا وقت ہے

یہ اتحاد کا وقت ہے

زمانے میں اتحاد سے بڑی

نہیں کوئی طاقت ہے

اتحاد ہے تمہارے پاس تو

امریکہ کو بھی جھکنا ہوگا

بش ہے اگر فرعون تو پھر

فرعون کو بھی جھکنا ہوگا!!

OO

اے آسمان مغرب

یہ نہ سمجھو کہ یہ آندھی گزر جائے گی
شہادت حسین اک دن رنگ لائے گی
یہ نہ سمجھو کہ مردہ ہے صدام
بلکہ فلسطینیوں
ہندوستانیوں کے دل میں زندہ ہے صدام
صدام حسین تھا شیر ایشیا
وہ ایشیا جو ہے
پیار و امن کا گہوارہ
مذہبوں، معصوموں اور مہاتماؤں
کی اس دھرتی کو
پریم، سد بھاؤ، امن اور آشتی کو
یوروپ اور امریکہ کے یہ خونی پنجے

مال و دولت کے یہ شکنجے

اپنا غلام بنانا چاہتے ہیں

صدام سب سے توانا مہرا تھا، بساط ایشیا کا

اس کے بعد صف بستہ کھڑے ہیں

ایران ہو یا کوریا

جاپان، ویت نام اور افغانستان کی طرح

سر جھکائے کھڑے ہیں

کہ دیکھنا ہے، اب کس کی باری ہے

ان تمام گورکھ دھندے کا

امریکہ سب سے بڑا مداری ہے

یو۔این کا کاندھے پر جنازہ لیے

دیکھتا ہے

اب کون نفاق کے مہادیو کا

اصلی پجاری ہے

اندرون ملک خلفشار

اب کہاں کہاں جاری ہے

سویت یونین اور سعودی عربیہ

شیطان بزرگ کے عتاب سے نکل آئے

اے اقلیم ایشیا والو!

شیطان بزرگ کو دو

کچھ ایسا کرارا جواب
کہ اس کے غبارے سے ہوا نکل جائے
ہے یہ جس کا بدنما عتاب
خود اسی پہ ٹل جائے!!

OO

دل پر رکھ لو پتھر

آنکھیں اپنی موند لو

دل پر رکھ لو پتھر

دل جتنا تم سخت رکھو گے

دماغ رہے گا بہتر

اس دشتِ تمنا میں پرویز

تمھیں ہر شخص ملے گا پتھر

آنکھوں کی چمک یہاں سب نقلی ہے

منہ میں زباں یہاں نقلی،

ہونٹوں کے پھول نقلی اور ماتھے کا چاند بھی ہے نقلی

اس رن بھومی میں جو بھی آیا، اُس کی تیر کماں سے ہے پھسلی

اعتبار ہے دھوکا یہاں، یقین ہے فریب

اپنے ہو جاتے ہیں پل میں پرائے

دوست بن جاتے ہیں یہاں اک دن میں دشمن

نہ خدا کا خوف ہے یہاں، نہ انسانوں سے پیار

دردمندی یہاں نمائش ہے

اور ہمدردی بیوپار

اور ہمدردی بیوپار

شیشے کا دل لے کر اپنا، کہاں چلے شہریار

اس مشینی دور میں سیکھ لو جینے کے گر منتر

آنکھیں اپنی موند لو

دل پر رکھ لو پتھر

○○

پاپ کا گھڑا

پروہت سے کسی بچے نے ایک دن کیا کچھ یوں استفسار
دنیا بھر کے لوگوں کے گناہوں کے پھول بتاشے کیوں کرتے ہو تم سوئیکار؟
پروہت نے کہا:
میں تو لوگوں کے گناہ سونپ دیتا ہوں بھگوان کو
اس کے بعد وہ پھول بتاشے سارے گنگا جل میں بہا آتا ہوں
تم ہی بتاؤ بیٹے!
میں بھلا اُن کے گناہوں کو کہاں اپناتا ہوں؟
گنگا میّا سے جب بچے نے پوچھا
گنگا نے کہا:
میں بھی اُن کے پاپوں کو بھلا کہاں اپناتی ہوں
میں تو بس اُنھیں ہند مہاساگر میں لے جا کے ڈوبا آتی ہوں
بچے نے تب ہند مہاساگر سے پوچھا

ہند مہا ساگر سوال سن کے مسکرائے اور بڑے اطمینان سے بولے
انسانوں کے سب پاپوں کو بادل اُڑا لے جاتا ہے
بچے نے جب بادل سے پوچھا
بادل نے کہا:
سُنو میرے پیارے! ذرا غور سے
بھرتے بھرتے...
جب پاپ کا گھڑا ابھر جاتا ہے،
جس کا پاپ ہے، پھر اُسی کی طرف لوٹ جاتا ہے
میں بھی جب اُن کے بوجھ کو لے کر چلتے چلتے تھک جاتا ہوں
میں بھلا اُنھیں پھر کہاں اپناتا ہوں؟
ہوا کا ایک جھونکا دیتا ہوں،
بارش کے سنگ لوٹا دیتا ہوں
انسانوں کو اُن کے پاپ!

OO

ہجرت کی صلیب

ندامت کی کڑی دھوپ میں نہائے ہوئے
زیست کے اس کڑے کوس پڑاؤ میں
جہاں سیپیاں روشنی کے دخول کے لیے دریچے کھولا نہیں کرتیں، سوچتا ہوں
اس بھری دُنیا میں تنہا کھڑا
خاکستر حسرتوں کی اُنگلی تھامے، کمہلائے ہوئے
ارماں یوں بھی نکل سکتے تھے موتیوں کی چمک دمک کی چاہ میں دربدر پھرے بغیر
رشتوں کے تانے بانے توڑ کے
ضعیف و نزار ماں باپ کی منتظر آنکھوں کو پیچھے چھوڑ کے
میں نے اس بڑے شہر کے چکا چوند کے پیچھے بھاگتے بھاگتے
کیا کھویا ہے، کیا پایا ہے
سوندھی مٹی کی مہک، تازہ گندم کی خوشبو، کنویں کا ٹھنڈا پانی

ممتا کا آنچل، ماں جائیوں کا پیار، بھائیوں کی رعب جمانے والی مار
کتنا ترساتی ہیں مجھے، آج
کس قدر گھبراتا تھا میں خوباں سے نظر ملاتے ہوئے
آج اڑ جاتا ہوں میں
شرم آتی نہیں مجھے، اپنے گناہ چھپاتے ہوئے
اُن سب کا مجرم ہوں میں،
اپنے ضمیر کے کٹگھرے میں کھڑا ہوں، اپنی ہی روح کو مقیّد کیے
ہجرت کی صلیب اپنے ناتواں کندھوں پر اُٹھائے
کیلیں ساتھ رکھتا ہوں میں
کوئی ہے جو آ کر مجھے سولی پر چڑھائے

○○

مقدس راتوں کا بُلاوا

شبِ قدر کی ٹھنڈی اور مقدس رات میں بہ اندازِ سرگوشی
میرے کانوں میں یہ انوکھی صدا آ رہی ہے
اُٹھو! میرے عزیز از جاں، میرے نورِ نظر
عبادت کرو کہ اس ایک رات کی عبادت
ہزار مہینوں کی عبادت سے ہے بہتر
مرے پیارے بچے، ''مجھے تم سے کتنی محبت ہے''، دیکھو اگر یوں نہ کیا تو بُرا
مجھ سے بڑھ کر
بھی کوئی نہ ہوگا، ''خدایا خدایا''
کبھی ایک سسکی، کبھی اک تبسم، کبھی صرف تیوری
مگر یہ صدائیں تو آتی رہی ہیں
انہی سے حیاتِ دو روزہ ابد سے جا ملی ہے
محبت بھری یہ میٹھی صدائیں میرے کانوں میں متواتر رس گھول رہی ہیں

حیاتِ جاوداں، حیاتِ دوام عبادت میں ہے مضمر
بہشت کی خاطر، جہنم سے نجات اور خدا کی خوشنودی کی خاطر
اُٹھو! اُٹھو! ''خدایا خدایا''
نہ اب خوابِ غفلت میں رہنا کبھی پھر
نہ اب یہ دوبارہ کہنا کبھی تم
مجھے معلوم نہ تھا کہ شبِ قدر کی خدا نے یہ رکھی ہے فضیلت
طاق راتوں میں اسے ڈھونڈو! میرے پیارے بچے
نورٌ اعلیٰ نور یہ تجلی بھری رات ہے
پرستش کے لائق بس اسی کی ذات ہے
حتیٰ کہ تا دم سحر فرشتوں کے جوق در جوق ہجوم سے یہ انوکھی
صدائیں آ رہی ہے
تقدیر بدل سکتی ہے، تدبیر کے آگے
آج کی شب اُٹھو اپنے پاکیزہ لبوں کی جنبش سے خوابیدہ قسمت کو
جگا لو، لوحِ محفوظ کے نوشتہ کو از خود ہی بدل ڈالو
میرے کانوں میں یہ انوکھی صدا آ رہی ہے
عمر ساری تو گزری عشق بتاں میں...
اب نہ آنکھوں میں کوئی جنبش، نہ چہرے پہ کوئی تبسم، نہ تیوری
فقط کان سنتے چلے جا رہے ہیں
آئینہ خانے میں شکلیں مسخ ہو چکی ہیں
جنگِ حیات کا باغی رو گرداں سپاہی

لگا تار دوڑنے سے تھک گیا ہے، تھکن سے چور، بستر سے پیٹھ لگ گئ
ہے اور نیند کی پریاں ہر گام ہر دم لوری سنا رہی ہیں
شبِ غم کیا ہے، بُری بلا ہے
مجھ سے کیا ہو سکا ہے جواب کچھ ہوگا، مجھ پہ تو اب بس خدا کا غضب
ہی ہوگا
چشم تر کی عبادت بھلا کہاں دھو سکے گی میرے گناہوں کو
میں تو ظلمتِ آلائش میں الجھا ہوا، ایک بھٹکا ہوا راہی ہوں
قندیل عبادت بھی بھلا کیا منور کر سکے گی میری سیاہ راتوں کو، مری
مبہم راہوں کو
ہاں! رحمتوں کی بارش مگر ہے اک سہارا
جنت اور جہنم تو بس خدا ہی ہے دینے والا
مگر یہ انوکھی صدا ہولے ہولے میرے دل کو یوں تھپتھپا رہی ہے
مرے مولا کا گر کرم ہو جائے، دریائے رحمت گر جوش میں
آئے، رحمتوں کی اس قدر بارش ہوگی ۔ گلستاں، ندی کی
وادی، دشت، صحرا، کھیت اور پربت سب جل تھل ہو جائیں گے
یہ سنتے ہی معاً، اب یہ صدائیں مدھم ہوتی جا رہی ہیں
میرے خالق! اعمال کا دارومدار تو ہے بندے کی نیّت پر
مگر تیرے توقعات ہیں خدایا ہماری اوقات سے بڑھ کر
اُمتِ رحمت العالمین ہیں ہم
مانا کہ بدکردار ہیں ڈوبے ہوئے ذلت میں ہیں، لیکن

تیرے محبوب کی اُمت میں ہیں
''خدایا خدایا'' تو معاف کرنے کو پسند فرماتا ہے، ''اے! خدایا''
ہم سب کو معاف کر دے، ہمارا انصاف کر دے
جہنم سے ہمیں نجات دے دے
باغِ بہشت سے تیرے حکم پر ہم نے باندھا تھا رختِ سفر
جنت تو ہے ہم سب کے بابا آدم کا گھر
پھر کیوں میرے کانوں میں یہ انوکھی صدا آ رہی ہے
عبادت کرو کہ اس ایک رات کی عبادت
ہزار مہینوں کی عبادت سے ہے بہتر

OO

ایک نئی دُنیا کی خواہش

اے اجنبی مخلوق
اے اجنبی دیس کے باشی
بتا، کیا وہاں بھی
گلوبل وارمنگ، کا خدشہ ہے؟
کیا وہاں بھی آلودگی کی چرچا ہے؟
کیا وہاں بھی سپر پاور کا غوغہ ہے؟
کیا وہاں بھی نیوکلیئر پاور کا غلبہ ہے؟
کیا وہاں بھی معصوم جانوں پر ہر پل منڈراتا ہیومن بم کا خطرہ ہے؟
کیا وہاں بھی چاند کا ایسا کوئی کرّہ ہے،
جہاں پالتھی مار کے بیٹھی بڑھیا مائی اب تک کاتتی رہتی چرخہ ہے؟
یا راہو کیتو اور اندو کا دیولوک سے اب تک جنم جنم کا جھگڑا ہے؟
اے اجنبی دیس سے آنے والے بتا جلدی

کیا وہاں بھی جنگ و جدل ہے؟

کیا وہاں بھی دنگا ہوتا ہے؟

کیا وہاں بھی انساں بھوکا ہے؟

کیا وہاں بھی انساں ننگا ہے؟

اے دور دیس سے آنے والے بتا

کیا وہاں بھی ایشور، گوڈ اور خدا کا تنازعہ ہے؟

کیا وہاں بھی مندر مسجد اور سینٹ گاج ہیں،

کیا وہاں بھی فتنۂ کلیسا و کعبہ ہے؟

کیا وہاں بھی شیطان کا وسوسہ ہے؟

کیا وہاں بھی انسانیت شرمندہ ہے؟

اے اجنبی! اے نامعلوم دیس کے باشندے

یہاں ہر جا رشوت عام ہے،

یہاں ہر پیشہ بدنام ہے،

یہاں خونِ انساں سب سے ارزاں ہے،

یہاں ہستی اپنی ظلم کے آگے لرزاں ہے،

یہاں داؤ پر رہتی ہر دم عصمتِ نسواں ہے،

اے اجنبی مخلوق

اے اجنبی دیس کے باشی

بتا، کیا وہاں بھی

دُنیا میں غم ہے؟

کیا وہاں بھی بڑھاپا آتا ہے؟
کیا وہاں بھی بیماری ہوتی ہے؟
کیا وہاں بھی مفلسی آتی ہے، آدمی کے حال پر
کیا وہاں بھی کوئی نظر رکھتا ہے، دوسروں کے مال پر
کیا وہاں بھی بن مانگے موت آتی ہے؟
کیا وہاں بھی وبا پھیل جاتی ہے؟
اے اجنبی دیس سے آنے والے،
سُن ذرا غور سے
یہاں تو چکّر کال ہے،
یہاں جنگ و جدال ہے،
یہاں انسانیت پامال ہے،
یہاں ہر طرف مایا جال ہے،
جیتے جی حسد سے مر جاتے ہیں لوگ یہاں، دوسروں کی ترقی سے
یہاں اہل دول ہے کوئی، کوئی نرا کنگال ہے،
یہاں موت کا سودا سہل ہے پر
زندگی؟
ہائے! کس قدر محال ہے۔

اے اجنبی مخلوق
اے اجنبی دیس کے باشی

وہاں اگر یہ سب نہیں ہے تو آ میری اُنگلی تھام لے، لے چل مجھے یہاں سے
اُس نئی زیست کی منزل امکاں پر جہاں
میں اپنی ایک نئی دُنیا بسا سکوں
دشتِ امکاں کو ایک نقش پا بنا سکوں

○○

ختم شُد

مصنف کی دیگر کتابیں

بڑے شہر کا خواب

منٹو اور عصمت کے افسانوں میں

عورت کا تصور

اس پتے سے حاصل کی جاسکتی ہے

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۳۱۰۸ گلی وکیل والی کوچہ پنڈت لال کنواں

دہلی ۔ ٦